امام ابوحامد غزالیؒ

حسین امین (بغداد)[1]

عباسیوں کے بغداد میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک مدرسہ تھا، جسے سلجوقیوں کے مشہور و معروف وزیر نظام الملک نے ۴۵۹ھ میں قائم کیا تھا۔ نظام الملک نے بغداد کے علاوہ سلطنت کے بعض دوسرے شہروں میں بھی اس قسم کے مدرسے قائم کئے تھے، اور انہیں بھی نظامیہ کہا جاتا تھا۔ اسی طرح کا ایک مدرسۂ نظامیہ نیشاپور میں بھی تھا، جس میں سب سے مشہور مدرس امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی متوفی ۴۷۸ھ تھے۔ یہ بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے۔ اور طلبہ ان سے اس قدر مانوس تھے کہ کہا جاتا ہے جب ان کا انتقال ہوا تو طالب علموں نے شدت غم میں جامع مسجد کا وہ منبر توڑ دیا، جہاں سے ان کے شفیق استاد وعظ کہا کرتے تھے۔ اور انہوں نے اپنی قلمیں اور دواتیں بھی توڑ دیں، اور پورے ایک سال تک وہ درس و تدریس کو چھوڑے رہے، ان چار سو طالب علموں میں سے ایک طالب علم امام ابوحامد غزالی بھی تھے

نظام الملک کے بنائے ہوئے مدارس نظامیہ میں سے سب سے زیادہ شہرت بغداد کے نظامیہ کو حاصل ہوئی۔ جہاں کا کہ دور دراز سے طالبانِ علم قصد کرتے، اور جس میں ہر علم و فن کے متبحر اور مسلّمہ علماء درس دیا کرتے تھے۔ انہی مدرسین میں سے، جو اپنے وقت میں بہت مشہور ہوئے، ایک مدرس حجۃ الاسلام

---

[1] جامعہ بغداد (عراق) کے "مجلّہ کلیۃ الآداب" میں شائع شدہ ایک عربی مضمون کا اردو ملخص۔ مولانا شبلی کی کتاب "الغزالی" کے حاشیے مترجم کے ہیں۔

ابوحامد الغزالی بھی تھے۔ یہ مدرسہ کوئی دو سال میں بن کر تیار ہوا تھا، اور بغداد کے مدرسہ مستنصریہ کے قیام سے پہلے وہ سب سے بڑا اور شان دار مدرسہ تھا۔ اس مدرسے کا قیام خاص طور سے فقہ شافعی کی تدریس کے لئے وجود میں آیا تھا اور واقف کی یہ شرط تھی کہ "اس میں مدرس، واعظ اور کتابوں کا متولی اصلاً اور فرعاً شافعی ہو"[۱]

امام غزالی کا پورا نام محمد بن محمد بن محمد بن احمد ہے۔ وہ ۴۵۰ھ میں طوس میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا اون کاتنے کا کاروبار تھا۔ اس بنا پر وہ الغزالی کے لقب سے منسوب ہوئے۔ وہ بچپن ہی میں اپنی ذہانت کی وجہ سے بڑے ممتاز تھے۔ امام غزالی نیشاپور کے مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوئے اور وہاں انہیں امام الحرمین عبدالملک جوینی سا کامل استاد ملا۔ انہوں نے بہت دل لگا کر پڑھا، اور درس و مطالعہ میں بڑی محنت کی یہاں تک کہ ایک طرف وہ فقہ، کلام، اصول اور منطق میں ماہر ہوگئے۔ اور دوسری طرف انہوں نے حکمت اور فلسفہ میں بھی درک حاصل کیا۔ نیز مختلف علوم پر انہوں نے کئی کتابیں لکھیں۔ امام الحرمین کے انتقال کے بعد ایک علمی مجلس میں امام غزالی کی نظام الملک سے ملاقات ہوئی۔ اس مجلس میں دوسرے علماء بھی موجود تھے۔ ان کے اور امام غزالی کے درمیان کسی مسئلہ پر بحث چھڑ گئی، جس میں امام غزالی کا پلّہ بھاری رہا۔[۲] اور ان کے استدلال

---

[۱] ابن الجوزی۔ المنتظم ج ۹ ص ۶۶

[۲] مولانا شبلی اپنی کتاب "الغزالی" میں لکھتے ہیں:۔ "چونکہ ان (امام غزالی) کی علمی شہرت دور دور تک پہنچ چکی تھی، نظام الملک نے نہایت تعظیم و تکریم سے ان کا استقبال کیا۔ اُس وقت فضیلت اور کمال کے اظہار کا جو طریقہ تھا علمی مناظرات تھے۔ رؤساء و امراء کے دربار میں علماء اور فضلاء کا مجمع ہوتا تھا۔ اور مسائل علمی پر مناظرانہ گفتگوئیں ہوتی تھیں۔ جو شخص زورِ تقریر سے حریفوں کا منہ بند کر دیتا تھا، وہی سب سے ممتاز سمجھا جاتا تھا۔۔ امام غزالی نظام الملک کے دربار میں پہنچے تو سیکڑوں اہل کمال کا مجمع تھا۔ نظام الملک نے مناظرہ کی مجلس منعقد کی۔ متعدد جلسے ہوئے اور مختلف مضامین پر بحثیں رہیں۔ ہر معرکہ میں امام صاحب ہی غالب رہے۔ اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو چمکا دیا۔ اور تمام اطراف و دیار میں اس کے چرچے پھیل گئے۔" (ابن خلکان)

اور زور بیان کے سامنے کوئی نہ ٹھہر سکا، سب علماء نے ان کے علم و فضل کا اعتراف کیا۔ اور نظام الملک کے دل میں ان کا بڑا احترام پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اس نے امام غزالی کو مدرسۂ نظامیہ بغداد میں مدرس و استاد مقرر کر دیا ؎۱

علوم و فنون میں تبحر و مہارت کے باوجود امام صاحب نے اپنا مطالعہ برابر جاری رکھا، اور ان کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ ان پر نئے سے نئے حقائق وا انکشاف ہوں، اور وہ اس راہ میں برابر آگے بڑھتے جائیں چنانچہ اس سلسلے میں وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

"عنفوان شباب سے لے کر جب میں بلوغ کو پہنچا تھا، اُس وقت تک، جب کہ میری عمر پچاس کے قریب ہے، میں اس گہرے سمندر کی موجوں میں گھس رہا ہوں اور اس کی گہرائیوں میں غوطہ زن رہا ہوں۔ ایک جرأت مند آدمی کی طرح نہ کہ ایک بزدل اور جھجکنے والے کی طرح میں ہر اندھیرے میں کودا اور ہر مشکل مسئلے پر لپکا ہوں میں نے ہر فرقے کے عقیدے کی چھان بین کی۔ اور ہر گروہ کے اسرارِ مذہب کا کھوج لگایا۔ تاکہ میں حق پرست اور باطل پرست اور سنت پر چلنے والے اور بدعتی میں تمیز کر سکوں۔ میں نے ہر فرقہ باطنیہ والے کی باطنیت اور ہر ظاہری فرقے والے کی ظاہریت کا جو حاصل ہے اس پر یہ مطلع ہونا چاہا۔ میں نے کسی فلسفی کو نہیں چھوڑا کہ اس کے فلسفے کی کنہ و حقیقت سے واقف ہونے کی کوشش نہ کروں کسی متکلم یعنی علم کلام والے کو نہیں چھوڑا کہ اس کے کلام اور اس کے بحث و نظر کے مقصد و مدعا سے واقف نہ ہوں۔ کسی صوفی کو نہیں چھوڑا کہ اس کی صوفیت کے راز پر اطلاع پانے کی خواہش نہ کروں۔ کسی عابد و زاہد کو نہیں چھوڑا کہ یہ معلوم نہ کروں کہ اس کی عبادت کا حاصل مقصود کیا ہے۔ اور اسی طرح کسی زندیق کو نہیں چھوڑا کہ اس کے بارے میں یہ سراغ نہ لگاؤں کہ اس کی اس جرأت زندیقی کے کیا اسباب ہیں۔ غرضکہ ابتداء سے اور عنفوان شباب ہی سے حقائق کے ادراک کی پیاس میرا معمول رہی ہے۔ اور یہ خاصیت اللہ تعالیٰ نے میری جبلت اور فطرت میں رکھی ہے۔ اور میرے اختیار یا

؎۱ امام صاحب کی عمر اس وقت صرف ۳۴ برس سے زیادہ نہ تھی۔ اس عمر میں نظامیہ کی افسری حاصل کرنا ایک ایسا فخر تھا، جو امام صاحب کے سوا کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوا۔ (الغزالی از مولانا شبلی)

میری کوشش کا نتیجہ نہیں؟

ایک تو اللہ تعالیٰ نے امام غزالی کو بحث و تحقیق، تجسس و تدقیق اور ہر چیز کے اصل اسباب کا سراغ لگانے کی یہ جبلت عطا کی تھی، اور دوسرے وہ جس زمانے میں پیدا ہوئے، اور بعد میں جو ماحول انہیں ملا، وہ انتہائی اضطراب اور انتشار سے بھرپور تھا۔ اس وقت خلافت عباسیہ میں ضعف آچکا تھا، اور وہ بڑی سرعت سے زوال پذیر تھی۔ مسلم معاشرہ فقہی گروہ بندیوں اور کلامی کشمکشوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ اور اس میں طرح طرح کے مذہبی فرقے بکثرت موجود تھے امام غزالی ہی کے زمانے میں صلیبی جنگوں کا بھی سلسلہ شروع ہوا ایک طرف تو یہ حالت تھی، دوسری طرف اسی عہد میں مدارس کے قیام کی تحریک بڑے زوروں پر شروع تھی اور علماء کی بڑی کثرت تھی اور اس کے ساتھ ساتھ تصوف پھیل رہا تھا۔ اس کے علاوہ اسی زمانے میں یونانی فلسفے کے زیر اثر ایسے فرقوں کا ظہور ہوا، جنہیں امام غزالی نے دہریت، طبیعت اور الہیت کے نام دیئے ہیں۔ امام صاحب نے فلسفیوں پر تنقید کی اور ان کے رد میں اپنی مشہور کتاب "تہافتہ الفلاسفہ" لکھی امام غزالی کے نزدیک فلسفی دین کے لئے ایک خطرہ ہیں، کیونکہ وہ شریعت اور اس کی حدود کا احترام نہیں کرتے اور شعائر دین کو نظر حقارت دیکھتے ہیں انہوں نے خود فلسفہ کا مطالعہ کیا تاکہ وہ اس سے پوری طرح واقف ہوں اور اس کی کمزوریوں کو سمجھیں۔ فلسفے کا یہ مطالعہ انہیں ایک نئے فکری مذہب کی طرف لے گیا جس کا بنیادی نقطہ شک ہے، انتشار کا یہ دور جس میں کہ امام غزالی کی زندگی گزری اور جس میں کہ افکار و آراء، اور فقہی مذاہب و مذہبی گروہوں میں باہم اس قدر تصادم تھا یقیناً اس کے اثرات امام صاحب کے درس و تدریس، بحث و مطالعہ علمی نقطۂ نظر اور فکری تبدیلیوں پر پڑے۔ وہ ایک ذہین و محنتی طالب علم سے ترقی کرکے اس بلند مقام پر پہنچے کہ وہ امام اور حجتہ الاسلام کہلائے۔ پھر وہ مدرسہ نظامیہ بغداد میں استاد مقرر ہوئے۔ اور فقہ اور علم کلام کی تعلیم دینے لگے۔ اس زمانے اس کے حالات اور اس میں جو افکار و آراء تھے، ان کا ہی اثر تھا کہ اس وقت امام صاحب میں ایک فکری انقلاب رونما ہوا۔ اور انہوں نے مدرسہ نظامیہ میں درس و تدریس چھوڑ کر زہد کی زندگی اختیار کرلی اور آخر میں وہ طوس شہر میں زاویہ نشین ہوکر بیٹھ گئے اور ہمہ تن تصنیف و تالیف ہی میں لگ گئے۔

امام غزالی کے افکار و آراء ان میں بعد میں جو ذہنی انقلاب ہوا، اُن سے اُس زندگی کا جو اُس وقت

بغداد کی تھی، بڑا گہرا تعلق ہے جن کے عہد میں بغداد لوگوں کی نظروں کا کعبۂ مقصود تھا۔ وہاں علما کی بڑی ریل پیل رہتی تھی۔ طرح طرح کے خیالات اور اعتقادات آپس میں ٹکراتے تھے۔ مدارس اور علمی مرکزوں کی بڑی کثرت تھی۔ [1]

امام غزالی ۴۸۴ھ میں جب بغداد میں وارد ہوئے، تو ان کی عمر ۳۴ سال کی تھی۔ انہوں نے نظامیہ میں درس دینا شروع کیا تو ان کی طرف طلبہ کا عام رجوع ہوا اور درس سننے کے لئے بکثرت لوگ آنے لگے اس کے علاوہ سب کے سب ان کے اخلاق، علم اور وسعتِ معلومات کے بھی گرویدہ ہو گئے اور ان کے درس میں بڑے بڑے علماء اور فقہا نے آنا شروع کر دیا، جن میں سے خاص طور پر قابل ذکر ابو الخطاب اور ابن عقیل ہیں۔ اور یہ دونوں کے دونوں حنبلی تھے غرضکہ مدرسۂ نظامیہ میں امام غزالی کا تعلیم و تدریس کا یہ دور ایک طرف علم و فکر سے بھرپور تھا، اور دوسری طرف طلبہ کا جمِ غفیر تھا، جو ہر وقت ان کا احاطہ کئے رہتا اور جو کچھ ان کی زبان سے نکلتا، وہ بڑے ذوق و شوق سے اسے سنتے، اور دلوں میں جگہ دیتے۔ [2]

---

[1] مولانا شبلی "الغزالی" میں لکھتے ہیں:۔ امام صاحب نے جس قسم کی تعلیم و تربیت پائی تھی اس کا مقتضیٰ یہ تھا کہ وہ اپنے اہل مذہب کے طریقے کے سوا کسی طرف ذرا التفات نہ کرتے۔ چنانچہ ان کے تمام ہمعصروں کی یہی حالت رہی لیکن امام صاحب ابتدا ہی سے ایک خاص قسم کی طبیعت رکھتے تھے۔ ان کا مذاق یہ تھا کہ ان کے سامنے جس قدر مذہبی فرقے موجود تھے اور ان کے جو عقائد اور خیالات تھے، سب پر وہ غور کی نگاہ ڈالتے تھے نیشاپور وغیرہ میں سلجوقیہ کے اثر کی بدولت دوسرے مذاہب کا بہت کم چرچا تھا۔ لیکن بغداد دنیا بھر کے عقائد اور خیالات کا دنگل تھا۔ اس زمین پر قدم رکھ کر ہر شخص پورا آزاد ہو جاتا تھا اور جو کچھ چاہتا تھا کہہ سکتا تھا۔ شیعی، سُنّی، معتزلی، زندیق، ملحد، مجوسی، عیسائی، بغداد ہی کے دنگل میں باہم علمی لڑائیاں لڑتے تھے۔ اور کوئی شخص ان سے معترض نہیں ہو سکتا تھا۔ اس آزادی کی بدولت ہر قسم کے مختلف عقائد و خیالات پھیلے ہوئے تھے۔

[2] ان کے درس میں تین سو مدرسین اور سو امراء و روسا ء حاضر ہوتے تھے۔ درس کے علاوہ خود وعظ بھی فرماتے تھے۔۔۔ یہ وعظ بھی درحقیقت علمی لیکچر ہوتے تھے۔۔۔ ایک سو تراسی وعظ قلم بند کئے گئے، جن کا مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوا۔۔۔ (الغزالی)

۴۸۸ھ میں امام غزالی نے مدرسۂ نظامیہ میں درس دینا چھوڑ دیا، اور وہ بغداد سے شام روانہ ہوگئے۔ ؎ جہاں انہوں نے دو سال قیام کیا۔ یہ مدت انہوں نے عزلت نشینی اور اعتکاف میں گزاری۔ شام سے وہ بیت المقدس گئے اور مسجد صخرہ میں قیام فرمایا اور پھر انہوں نے حج کا ارادہ کیا۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد وہ مدینہ منورہ گئے اور ایک مدت وہاں میں آپ کا قیام رہا۔ اب ان کے دل میں بیوی بچوں اور خاندان کا خیال آیا۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: "مجھے بال بچوں کے خیال اور ان کی آواز نے وطن کی طرف کھینچا، اور میں وطن لوٹا حالانکہ میں اس کی طرف لوٹنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا، لیکن وطن میں بھی میں نے عزلت کو ترجیح دی تاکہ مجھے تنہائی اور خلوت میسر آئے۔ اور میں ذکر و فکر کر سکوں زمانے کے حوادث، اولاد و اطفال کے مسائل اور معاش کی ضروریات حصول مرادمیں حارج اور خلوت کی صفائی قلب میں تشویش کا باعث ہوتی ہیں"

امام غزالی نے تقریباً تمام اسلامی دنیا کی سیاحت کی تھی۔ وہ مصر بھی گئے۔ قاہرہ اور اسکندریہ میں بھی ان کا جانا ہوا۔ اور ان دونوں شہروں میں وہ ایک مدت قیام فرما ہوئے۔ اس دوران سیاحت میں انہوں نے اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" مکمل کی وہ جہاں کہیں بھی جاتے، جلوت پر خلوت کو مقدم رکھتے۔ اور اس خلوت میں ان کے پیش نظر طریقہ تصوف ہوتا۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں :- "ان خلوتوں میں مجھ پر

؎ ترجمہ ---- ادھر اپنے اشغال کو دیکھا، تو کوئی خلوص پر مبنی نہ تھا۔ درس و تدریس کی طرف طبیعت کا میلان اس وجہ سے تھا کہ وہ جاہ پرستی اور شہرت عامہ کا ذریعہ تھا۔ ان واقعات نے دل میں تحریک پیدا کی کہ بغداد سے نکل کھڑا ہوں۔ اور تمام تعلقات کو چھوڑ دوں یہ خیال رجب ۴۸۸ھ میں پیدا ہو۔ لیکن چھ مہینے تک لیت و لعل میں گزرے۔ نفس کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا کہ اس بڑی عظمت و جاہ سے دست بردار ہو جائے۔ ان ترددات میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ زبان رک چلی۔ درس دینا بند ہو گیا۔ رفتہ رفتہ ہضم کی قوت جاتی رہی۔ آخر طبیبوں نے علاج سے ہاتھ اٹھا لیا اور کہہ دیا کہ ایسی حالت میں علاج کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔ بالآخر میں نے سفر کا قطعی ارادہ کر لیا۔"

المنقذ من الضلال (الغزالی)

جو امور منکشف ہوئے، ان کا احاطہ و استقصا نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے صرف ایک حصہ میں بیان کرتا ہوں تاکہ اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ میں نے یقینی طور سے یہ جان لیا کہ صوفیہ ہی بالخصوص اللہ کے راستے پر سب سے آگے ہیں۔ ان کی سیرت سب سے اچھی، ان کا طریقہ سب سے صحیح اور ان کے اخلاق سب سے بہتر ہیں ...... اور ان کی تمام حرکات و سکنات اپنے ظاہر و باطن میں شمع نبوت کے نور سے منور ہیں۔"

امام غزالی علم الکلام اور عقلیت سے کس طرح تصوف تک پہنچے اور انہوں نے نظامیہ بغداد میں درس و تدریس کی زندگی کے بجائے عزلت نشینی اختیار کی۔ اس کو سمجھنے کے لئے آپ کے یہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ ان کی طبیعت میں تلاش اور جستجو کا ملکہ شروع سے تھا اور جب تک وہ کسی مسئلے کے تمام پہلوؤں کا احصار نہ کر لیتے، وہ اس کے بارے میں قطعی رائے نہ دیتے تھے مذہب شک تک پھر وہ بعد میں پہنچے، یہ رجحان دراصل ان میں ابتدا سے تھا۔ لیکن امام غزالی شک کو حرف آخر نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے نزدیک شک ذریعہ ہے حق الیقین تک پہنچنے کا فرماتے ہیں "اگر کوئی شخص کہے کہ تین کا عدد دس سے بڑا ہے اور اس کی دلیل وہ یہ دے کہ میں لاٹھی کو سانپ میں تبدیل کر سکتا ہوں۔ اور وہ فعلاً ایسا کر دے اور میں اسے دیکھوں بھی، تو میں اس کی وجہ سے اپنے اس علم میں کہ دس کا عدد تین سے بڑا ہے شک نہیں کروں گا۔ البتہ اس نے لاٹھی کو جس طرح سانپ میں تبدیل کر دیا ہے اس کی قدرت پر تعجب ضرور ہوگا۔ اس سے میں نے یہ جانا کہ ہر وہ علم جو مجھے اس طرح حاصل نہیں ہوتا اور نہ میں اس طرح یقین کرتا ہوں وہ علم ناقابل اعتبار ہے اور اس میں آدمی غلطی سے مامون نہیں ہوسکتا۔ اور جس علم میں آدمی غلطی سے مامون نہ ہو۔ وہ علم یقینی نہیں ہوتا۔"

اس کے بعد امام غزالی نے جملہ علوم کی تحقیق شروع کی اس طرح ان میں سے اکثر کے بارے میں جو معلومات انہیں حاصل تھیں ان پر انہیں شک ہونے لگا۔ اور یہ شک اتنا آگے بڑھا کہ وہ اپنے یقین پر بھی شک کرنے لگے۔ یہ چیز تو جانی بوجھی ہے کہ یقین کی بنیاد حس ہے اور حس کے متعلق ضروری نہیں کہ اس کا تاثر ہمیشہ صحیح ہو امام غزالی فرماتے ہیں "میں کوشش بلیغ کے ساتھ اوہر متوجہ ہوا اور محسوسات اور ضروریات پر غور کرنے لگا میں نے سوچا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں خود اپنی ذات پر شک کروں آخر میں مجھے اس طرف لے گیا کہ میرا نفس محسوسات میں بھی غلطی سے مامون نہیں" تشکک کے یہ مراحل طے کرتے ہوئے وہ محسوسات سے عقلیات پر پہنچے، اور آخر الذکر پر ان کو اعتماد ہوا۔ لیکن

آگے چل کر وہ عقلیات پر بھی شک کرنے لگے۔ فرماتے ہیں۔ محسوسات نے کہا کہ اس کا کیا بھروسہ کہ تمہارا عقلیات پر ایسا ہی اعتماد ہو، جیسے محسوسات پر تھا۔ تم تو ہم پر بھی اعتماد کرتے تھے چنانچہ حاکم عقل کا ورود ہوا، اور اس نے ہمیں جھٹلایا اور اگر حاکم عقل نہ ہوتا، تو تم پہلے کی طرح ہم (محسوسات) پر اعتماد کرتے رہتے' ہو سکتا ہے کہ ادراکِ عقلی کے بعد بھی کوئی اور حاکم ہو"

اس طرح امام غزالی کشمکشِ انکار سے دوچار ہوتے ہیں اور ان کا تشکک آگے بڑھتا ہے اور آخر میں ان کا اعتماد "ضروریات عقلی" پر جاکر ٹھہرتا ہے۔ کیسے؟ یہ وہ نہیں بتاتے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔ "یہ نور تھا، جو اللہ تعالیٰ نے سینے میں ڈالا اور یہی نور بیشتر معرفتوں کی کنجی ہے۔"

آپ نے دیکھا کہ کس طرح امام غزالی لوگوں میں، علوم میں، اور ان کے گرد و پیش جو کچھ ہو رہا تھا، ان سب میں شک کرتے ہیں۔ اور آخر اُن کا یہ شک انہیں علم الیقین تک پہنچا دیتا ہے وہ اس بارے میں لکھتے ہیں۔ "یہ شکوک بھی حق کے لئے ایک موجب ہے کہ جس نے شک نہیں کیا، اس نے دیکھا نہیں، اور جس نے دیکھا نہیں، اسے کوئی چیز نظر نہیں آئی، وہ اندھے پن اور گمراہی میں رہا۔" اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ جس چیز پر بھی ان کی نظر پڑتی تھی یا جو چیز وہ کانوں کے ذریعہ سنتے تھے ان کا شک انہیں اس کے بارے میں سوچنے پر آمادہ کرتا تھا اور وہ اس پر غور و خوض کرتے تھے' معلوم ہوتا ہے کہ ان کی لوگوں سے کنارہ کشی اور الگ خلوت میں بیٹھنا اسی لئے تھا کہ وہ اُن امور پر جو زندگی میں انہیں پیش آئے تھے، علیحدگی میں اطمینان سے غور کر سکیں۔ اور ان کے بارے میں شک سے یقین پر پہنچیں چنانچہ یہی وہ عوامل تھے، جنہوں نے امام غزالی کو مجبور کیا کہ وہ بغداد چھوڑیں۔ مدرسہ نظامیہ میں تعلیم و تدریس چھوڑیں لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر گوشۂ عزلت ڈھونڈیں۔ اور اپنے شکوک کا مداوا کریں۔

امام غزالی ۴۸۴ھ سے ۴۸۸ھ تک بغداد میں رہے بغداد آنے سے پہلے قدرتی طور پر امام صاحب کے دل میں "مقام خلافت" کے بارے میں بڑی عقیدت اور احترام ہوگا اور وہ اس کے متعلق بڑے اچھے خیالات رکھتے ہوں گے، لیکن جب وہ بغداد پہنچے اور وہاں انہوں نے وہ سب عیش و عشرت، لہو و لعب، فسق و فجور اور منکرات دیکھیں، جن سے کہ اس زمانے کا بغداد بھرا ہوا تھا۔ تو اس کا ان پر شدید رد عمل ہوا ہوگا اور اس کی

دیوے وہ قطعاً تصوف کی طرف مائل ہو گئے۔ جس کی تعلیم وہ پہلے یوسف النساج سے حاصل کر چکے تھے یعنی تصوف کا بیج پہلے موجود تھا بغداد کی زندگی کے حالات و کوائف نے اسے نمی بخشی، اور وہ پھوٹ کر بال و پر لایا۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ امام غزالی کے فرمانروائے مراکش یوسف بن تاشفین کے ساتھ روابط تھے، اور عباسی خلیفہ کو یہ پسند نہ تھا۔ چنانچہ وہ اکثر امام صاحب سے اعراض برتا کرتا تھا۔ جب انہیں یہ محسوس ہوا۔ تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ بغداد سے نکل جائیں۔

اس ضمن میں یہ بھی پیش نظر رہے کہ جب امام غزالی طوس سے بغداد گئے اور نظامیہ بغداد میں درس و تدریس شروع کیا تھا، تو وہ شادی شدہ تھے، اور ان کی اولاد تھی، جو طوس ہی میں سکونت پذیر رہی۔ امام صاحب بغداد میں تجرد کی زندگی گزارتے تھے۔ الغرض امام غزالی کی ذات گرامی ایک مستقل مکتب فکر تھی، جس کا اثر و نفوذ بہت دور دور تک پھیلا۔ اور بعد والوں نے ان کا اتباع کیا [1]

---

[1] آج تقریباً تمام دنیا میں الہیات، نبوت اور معاد کے متعلق مسلمانوں کے جو معتقدات و مسلمات ہیں وہی ہیں، جو امام صاحب کے مقرر کردہ ہیں۔ (ابعد کی) جس قدر مشہور تصنیفات (کلام) ہیں سب امام صاحب کے ہی عقائد کے گویا شروح و حاشیے ہیں۔ حضرات صوفیا اور علمائے اسلام سرتاپا ان الہیات کے پیرو ہیں، جن کو امام غزالی نے اسرار شریعت سے تعبیر کیا ہے اور جن کی نسبت ان کو نہایت اصرار ہے کہ عام نہ ہونے پائے۔ حضرات صوفیا اور فلاسفۂ اسلام کے سرگروہ مولانا روم شیخ الاشراق ابن رشد اور شاہ ولی اللہ صاحب ہیں۔ ان بزرگوں کی تصنیفات درحقیقت امام صاحب ہی کے خیالات کا نمونہ ہیں تعجب یہ ہے کہ علامہ صدر الدین شیرازی باوجود اختلاف مذہب کے الہیات میں امام غزالی کے خوشہ چین ہیں اور سند کے طور پر امام صاحب کی عبارت صفحے کے صفحے نقل کرتے جاتے ہیں۔ (الغزالی)

خود امام غزالی نے بھی پہلوؤں سے بڑی آزادی سے فائدہ اٹھایا۔ اس سلسلے میں مولانا شبلی لکھتے ہیں: "تحقیقات کے شوق میں امام صاحب نے فلسفہ اور عقلیات کی کتابیں بھی پڑھیں اور ان فنون میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا فلسفہ کی تصنیفات میں سے جو کتابیں زیادہ تر ان کے مطالعہ میں رہیں، بو علی سینا کی تصنیفات اور ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق تھی امام مازری شارح صحیح مسلم کا بیان ہے کہ میں نے غزالی کے شاگردوں سے سنا کہ وہ اخوان الصفا کے رسالے اکثر دیکھا کرتے تھے امام صاحب نے خود بھی ایک موقع پر اخوان الصفا کا ذکر کیا ہے۔" (الغزالی)

ان کے معترضین میں سے ایک امام ابن القیمؒ ہیں جنہوں نے امام غزالی پر بیس مسئلوں کے بارے میں اعتراضات کئے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا اعتراض آپ کے اس قول پر ہے "لیس فی الامکان ابدع مما کان" (جو ہے اس سے بہتر ممکن نہیں) ابن قیمؒ کے نزدیک اس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالٰی اس سے بہتر پیدا کرنے سے عاجز ہے اور یہ گویا اس کی قدرت کا عجز ہوا۔ جو کسی طرح بھی صحیح نہیں لیکن امام غزالی کا اس سے مطلب دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے جو کچھ پیدا کیا ہے وہ اس قدر اعلیٰ ہے کہ اس سے اعلیٰ اور کوئی چیز ہو نہیں سکتی اس سے ان کی مراد تخلیق کی عظمت کا اثبات ہے نہ کہ باری تعالٰی کی قدرت کے عجز کا اظہار۔

امام غزالی کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دین کو عقل کے قیاس آرائی کی عقل نہیں بلکہ عملی اور اعتیادی عقل کے قریب کیا۔ اور عام ذہنوں کے لئے اس کی باریکیاں آشکار کیں، درآں حالیکہ ان کے اور ان کے پہلے زمانے میں اکثر فقہا اور اصحاب دین معموں میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اور ابہام اور پیچیدگی ان کا مسلک تھا۔ امام غزالی نے دین کو عقلِ عملی یا اعتیادی سے قریب کر کے دین کا مرتبہ کم نہیں کیا۔ بلکہ ایمان کو اس کی اساس قرار دیکر دین کو فکر بلند کی قوت عطا کی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ امام غزالی ان تمام اوصاف کے حامل تھے جو ایک عالم کے ہوتے ہیں۔ ان میں علم تھا۔ ادب تھا۔ تواضع تھی اور اخلاق حسنہ رکھتے تھے وہ ایک زاہد و عبادت گزار صوفی تھے۔ انہوں نے بدعات کے خلاف جہاد کیا وہ ایک کامل استاد تھے۔ ان کے مواعظ و نصائح اب تک دلوں کو متاثر کرتے ہیں وہ ایک بلند پایہ مصنف تھے۔ ان کی ذات میں بڑی خوبیاں جمع تھیں آپ کا ۵۰۵ھ میں جمادی الثانی کی چودھویں تاریخ کو انتقال ہوا اور وہ طوس میں مشہور شاعر فردوسی کی قبر کے قریب دفن کئے گئے۔

فلسفہ کو بخوبی سمجھ لینے کے بعد میں نے جان لیا کہ جو غرض ہے اس کے لئے یہ بھی غیر کافی ہے اور عقل جمیع مطالب کے احاطے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور نہ تمام مشکلات سے پردہ اٹھانے والی ہے۔

(امام الغزالی)